بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

مغربی پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں میں اب مستقل طور پر اسلامیات کے شعبے قائم ہیں، جن میں طلبہ اور طالبات بی اے کرنے کے بعد داخلہ لے سکتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اسلامیات کے ان شعبوں کا معیار ابھی اتنا بلند نہ ہو، جتنا کہ ہونا چاہیئے، لیکن خدا نے کیا یونیورسٹیوں میں یہ شعبے تو قائم ہو گئے، اب اگر ان کی طرف کماحقہٗ توجہ کی گئی اور انہیں ترقی دینے کی کوششیں ہوئیں، نیز ان شعبوں میں داخل ہونے والے طلبہ اور طالبات نے اسلامی علوم کی تحصیل کو صحیح معنوں میں اپنا مقصد بنایا تو ہماری یونیو [illegible] کے یہ شعبے آگے چل کر یقیناً قومی زندگی کی دینی ضرورتوں کو بہت حد تک پورا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

ہماری حکومت کا یہ اقدام کہ سکولوں اور کالجوں میں پہلی جماعت سے لے کر بی اے تک لازمی طور پر اسلامیات پڑھائی جائے، یہ ایک تو اس لحاظ سے بڑا اچھا ہے کہ اس کی وجہ سے ایک مسلمان کے لئے جس قدر اپنے دین اور اس کے عقائد واحکام کا جاننا ضروری ہے، وہ اُن سے واقف ہو جائے گا، اور دوسرے جن طالب علموں کو بعد میں علوم اسلامیہ کا خصوصی مطالعہ کرنا ہوگا، اُن میں اس کی استعداد بہم ہو جائے گی۔ اس ضمن میں البتہ اس کی ضرورت ہے کہ علوم اسلامیہ میں ایم اے کرنے والوں کے لئے عربی لازمی ہو۔ اور صرف وہی اسلامیات میں ایم اے کر سکیں، جنہوں نے بی اے تک عربی پڑھی ہو۔

اس کے بعد ایک ضرورت اور رہتی ہے۔ پاکستان میں ایسے تعلیمی ادارے بھی ہونے چاہئیں، جہاں علوم اسلامیہ کے متخصصین تیار ہو سکیں۔ مثلاً جو طالب علم چاہیں، ان علوم میں سے کسی ایک مضمون میں تخصص کریں، جیسے کہ

جدید یونیورسٹیوں میں ڈاکٹریٹ کرتے ہیں۔ اس طرح ملک میں مثال کے طور پر ایسے علماء تیار ہو سکیں گے، جو اگر حدیث فقہ، تفسیر، کلام، منطق اور فلسفہ اسلامی میں عبور رکھیں گے، تو اس کے ساتھ ساتھ وہ بی اے تک جدید علوم بھی پڑھے ہوئے ہوں گے۔ جدید اور قدیم یا ہماری مروجہ اصطلاحات میں دینوی اور دینی علوم کے اس طرح کے حامل عالم ہی، وہ دور جو پاکستان میں بڑی سرعت سے آرہا ہے، اس میں ہماری دینی ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کے قابل ہو سکیں گے۔

انگریز کے برصغیر پاک و ہند پر تسلط سے پہلے ہمارے ہاں جو نظام تعلیم رائج تھا، وہ اُس دور کی ہماری جملہ یعنی دینوی اور دینی ضرورتوں کو بہت حد تک پورا کرتا تھا۔ اور اس نظام سے جو لوگ فارغ التحصیل ہوتے تھے، وہ جہاں درس و تدریس کی مسندیں سنبھالتے تھے، وہاں وہ نظم و نسق حکومت میں آج کے "سول سرونٹ" کے فرائض بھی انجام دے سکتے تھے۔ انگریز نے قبضہ جمانے کے بعد حکومت کا پورا نظام ہی بدل ڈالا اور اس نظام کو چلانے کے لئے جس قسم کی تعلیم کی نیو ڈالی گئی، اس میں سرے سے دینی تعلیم کو حذف ہی کر دیا گیا تھا ہمارے بزرگوں نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے خود دینی مدارس قائم کئے۔ اور حکومت وقت کی اعانت و سرپرستی سے، جو ایک غیر ملکی اور غیر مسلم حکومت تھی، آزاد رہ کر ان مدارس کا ملک کے طول و عرض میں ایک جال پھیلا دیا۔ ان بزرگوں نے اس وقت دینی تعلیم کی ترویج کے ضمن میں جو خدمات کیں، قوم و ملت اُن کے اس احسان کو کبھی نہیں بھلا سکے گی۔ خدا نخواستہ اگر ۱۸۵۷ء کے بعد ہمارے یہ بزرگ اس طرح تعلیمی میدان میں نہ آتے، تو آج مسلمانان پاک و ہند کی حالت اس قوم کی طرح ہوتی، جو اپنے ماضی سے بالکل کٹ چکی ہو۔

بہر حال وہ دور گزر گیا۔ انگریز سے ہم نے آزادی حاصل کر لی۔ اور اس برصغیر میں ہم اپنی ایک آزاد اسلامی مملکت قائم کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے، اب جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، سکولوں اور کالجوں میں پہلی جماعت سے لے کر بی اے تک اسلامیات کی تعلیم لازمی کر دی گئی ہے۔ اور اسلامیات کی اعلیٰ تعلیم کے لئے یونیورسٹیوں میں باقاعدہ انتظام ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ یہ انتظام اتنا اچھا نہیں، جتنا کہ ہونا چاہیئے، لیکن جب ایک چیز کی طرح پڑتی ہے، تو شروع شروع میں اس میں کمیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی، لیکن وقت کے ساتھ اس کی اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ ترقی کے مدارج طے کرنے لگتی ہے۔ غرض سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامیات اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا جو انتظام کیا گیا ہے، ہمیں پورا یقین ہے کہ یہ روز بروز بہتر ہوتا جائے گا۔ اور اس

نوع کی ہماری جو قومی و دینی ضرورتیں ہیں، اس سے بہت حد تک پوری ہو سکیں گی۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک حکومت جو ایک قومی و اسلامی حکومت ہے، جب خود قوم کے تمام بچوں اور بچیوں کے لئے اسلامیات کی تعلیم کا انتظام کرتی ہے۔ اور اس کے پیش نظر علوم اسلامیہ کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دینے کے منصوبے بھی ہیں، اور ان کے مطابق یونیورسٹیوں میں اسلامیات کے شعبے بھی کھولے جا چکے ہیں، تو پھر ہمارے ہاں انفرادی طور پر اس کثرت سے جو خالص دینی مدارس قائم ہیں، اور مزید قائم ہوتے جاتے ہیں، ان کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے۔ ان دینی مدارس کا نصاب تعلیم نہ صرف یک رُخہ اور ناقص ہے، بلکہ اس میں آج کے لئے اشد ضروری مضامین کی اس قدر کمی اور بے کار اور فرسودہ مضامین کی اتنی بھرتی ہے کہ وہ ہر طرح سے عملاً عقیم ہو چکا ہے پھر یہ مدارس جس طرح قائم ہوتے ہیں اور انہیں چندے کے لئے منتظمین کو جو کچھ کرنا پڑتا ہے، وہ حد درجہ افسوس ناک ہے۔ اس سے بے اندازہ قومی دولت ضائع ہوتی ہے، غیر مستحسن اور غیر مفید جذبات و خیالات پرورش پاتے ہیں اور قوم کے لاکھوں نونہالوں کی زندگیاں جس طرح بے مصرف بنتی ہیں، ان کا تو ذکر نہیں۔

کافی دن ہوئے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے جو خود ایک جید اور ملک کے مسلّمہ عالم دین ہیں، اور اس وقت مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے امیر ہیں، پہلے مشرقی پاکستان کے ایک اجتماع میں اور پھر ضلع لائل پور میں تقریر کرتے ہوئے موجودہ دینی مدارس کی زبوں حالی اور ان سے نکلنے والے مضر نتائج کی طرف توجہ دلائی تھی۔ آپ نے مشرقی پاکستان میں فرمایا تھا: "تعلیم کو منظم ہونا چاہیئے۔ چھوٹی درسگاہوں کا تعلق بڑی جامعہ یا کلیہ سے ہونا چاہیئے۔ نصاب میں توازن ہونا چاہیئے۔ طلباء کی نقل و حرکت پر پابندی ہونی چاہیئے۔ سرٹیفکیٹ کے سلسلے سے انہیں پابند کر دینا چاہیئے۔" اس ضمن میں مولانا نے فرمایا تھا کہ "گو سردست حکومت کے لئے یہ کام مشکل ہے، لیکن صحیح طور پر تو نظام اس وقت چل سکتا ہے کہ حکومت اس ذمّہ داری کو عقیدت اور ہمدردی کے جذبات سے سنبھالے۔"

لائل پور میں مولانا موصوف نے یہ باتیں فرمانے کے بعد یہ بھی کہا:۔

"ملک میں دینی مدارس کی کافی تعداد موجود ہے۔ ان میں چند مدارس اچھی خدمت سر انجام دے رہے ہیں۔ مگر ہماری ہونے والی پود اور ہمارے مدارس کے نو آموز نوجوان تعلیمی انتشار اور بد نظمی کا موجب ہو رہے ہیں۔ وہ دیہات میں چھوٹے چھوٹے مدارس کھول رہے ہیں، جن کا نہ صرف یہ کہ باہم ربط

نہیں۔ بلکہ رقابت ہے۔ باہم آویزش ہے۔ تعلیمی ترقی کے بجائے یہ مدارس معاشی جنگ کی آماجگاہ بن گئے ہیں۔ یہ حضرات جماعت کی جیب پر بوجھ ہیں اور باہم رقابت اور بدنظمی کی وجہ سے مضر ثابت ہو رہے ہیں۔"

مختصراً یہ ہے صورت حال ہمارے دینی مدارس کی۔ کیا ہمارے پنج سالہ ترقیاتی منصوبے بنانے والے ماہرین جو ملک کے وسائل کی ایک ایک تفصیل اور قومی زندگی کی مادی اور روحانی ضرورتوں کے ایک ایک جز کو سامنے رکھ کر تعمیر و ترقی کی سکیمیں تیار کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ مثلاً آئندہ پانچ سالوں میں ہماری آبادی کو اتنی غذا چاہیئے۔ اس قدر مدارس کی ضرورت ہوگی۔ ان سے اتنے طالب علم فارغ ہوں گے۔ انہیں اس قدر ملازمتیں چاہئیں۔ اور ہمارے ملک کے اتنے وسائل ہیں، وہ کبھی اس پر بھی سوچیں گے کہ ان ہزارہا ہزار دینی مدارس پر قومی دولت کا کتنا بڑا حصہ خرچ ہوتا ہے اور اس خرچ کا حاصل قوم کو سوائے اس کے اور کیا ملتا ہے کہ اس کے لاکھوں افراد کا وجود بہت حد تک بے مصرف ہو جاتا ہے۔ اور وہ قوم کی معاشی و معنوی دولت میں کسی اضافے کا بھی موجب نہیں بن پاتے۔

اس منصوبہ بندی کے زمانے میں ہماری حکومت اتنے بڑے قومی ضیاع اور اس سے نکلنے والے اس قدر دور رس مضر نتائج سے کب تک صرفِ نظر کرتی رہے گی؟

پچھلے دنوں قاہرہ میں مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری کانفرنس ہوئی ہے اور بقول ایک محترم معاصر کے "جس میں چالیس ممالک کے ایک سو سے زائد علماء اور شیوخ نے شرکت فرمائی۔ کانفرنس کی صدارت شیخ الازہر شیخ مامون نے فرمائی۔ کانفرنس میں بالاتفاق رائے بہت سی قرار دادیں پاس ہوئیں...." معاصر نے ان قرار دادوں کا خلاصہ دیا ہے۔

ان قرار دادوں کی اصل عربی زبان میں ہمارے سامنے موجود نہیں، معاصر نے صرف ان کا اردو ترجمہ دیا ہے، اس لئے ان پر بحث کرنا فی الحال مشکل ہے۔ ہمیں امید ہے معاصر اپنی کسی اشاعت میں ان کا عربی متن بھی شائع کر دے گا تاکہ ان پر سنجیدگی سے بحث ہو سکے۔

قرار داد نمبر ۳ یہ ہے :- "مکانات، کارخانہ جات، مشینوں، بحری اور ہوائی جہازوں وغیرہ پر زکوٰۃ فرض نہیں (ڈاکٹر فضل الرحمٰن مکانات، کارخانہ جات اور مشینری وغیرہ پر بھی زکوٰۃ فرض قرار دیتا ہے)"

ہمارے بزرگوں کی نیک دلی اور سادگی ملاحظہ ہو کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ مصر میں کوئی شخص ایک مکان سے جس میں وہ رہتا ہے، زیادہ مکان نہیں رکھ سکتا، اور جن کے تھے، وہ حکومت نے قومیا لئے ہیں۔ باقی کارخانہ جات

کا سوال، تو وہ کبھی کے قومیائے جا چکے ہیں۔ یہاں تک کہ اخبارات بھی ذاتی ملکیت نہیں رہے۔ اس صورت میں اس قرارداد کے عملاً معنی کیا رہ گئے۔

قرارداد نمبر ۲ یہ ہے: "سود خواہ کم ہو یا زیادہ، مفرد ہو یا مرکب قطعاً حرام ہے اور قرآنی آیت یا ایہا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافاً مضاعفا سے مفہوم صحیح سے یہی مستنبط ہوتا ہے (ڈاکٹر فضل الرحمٰن کہتا ہے کہ ہلکا سود جائز اور مرکب سود حرام ہے)" جہاں تک ربا کی حُرمت کا تعلق ہے، کون مسلمان اس سے انکار کر سکتا ہے لیکن یہاں سوال اس کا ہے کہ آیا بنک کا منافع ربا کے حکم میں آتا ہے۔ بحث اگر ہے تو اس کے بارے میں ہے

قرارداد نمبر ۴ ملاحظہ ہو۔ اسلام نے کثرت اولاد کی ترغیب دی ہے۔ کیونکہ کثرت نسل سے ملت اسلامیہ اجتماعی، اقتصادی اور جنگی لحاظ سے مضبوط اور معزز ہو گی (ہماری حکومت کا نظریہ ہے کہ آبادی کم ہونے سے پاکستان مضبوط ہو گا۔ اور تحدید نسل عین اسلامی نظریہ ہے اور بقول صدر مملکت اس کی مخالفت صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کے خون پر پلتے ہیں)

مصر میں ہم سے کہیں زیادہ خاندانی منصوبہ بندی پر زور دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ وہاں کثرت آبادی سے حکومت ہم سے زیادہ ہراساں ہے۔ اور صدر ناصر بارہا اپنی تقریروں میں خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت اور شدید ضرورت پر زور دے چکے ہیں۔

مجمع البحوث الاسلامیہ کی دوسری قراردایں بھی کچھ اسی قسم کی ہیں۔ ایک تو ان کا مفہوم بڑا مبہم ہے، اور دوسرے اگر ان کے وہ معنی لئے بھی جائیں، جو ہمارے محترم بزرگوں نے لئے ہیں، تو مصر کی حکومت کا خود اپنا عمل اُن کے بالکل برعکس ہے۔ وہاں طلاق پر پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں اور ابھی حال میں "الاہرام" میں یہ خبر چھپی ہے کہ طلاق کے لئے جج کے سامنے پیش ہونا ضروری کیا جا رہا ہے۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مجمع البحوث الاسلامیہ کی قراردادوں کا وہی مطلب ہے جو ہمارے معاصر نے لیا ہے تو شاید ہمارے محترم بزرگوں کو اس کا علم نہیں کہ ان قراردادوں کی جہاں تک مصر کی حکومت کے نظم و نسق کا تعلق ہے، کوئی اہمیت نہیں۔ اور ان کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ چالیس ممالک کے ایک سو سے زائد علماء اور شیوخ جمع ہوئے، اور انھوں نے چند قراردادیں پاس کر دیں۔ اس کے برعکس قاہرہ میں اجتماع بھی ہو سکتا ہے اور آئے دن ایسے اجتماع ہوتے رہتے ہیں، جن میں ان سے بالکل مخالف قراردادیں

کی جائیں۔ اس اجتماع کی حیثیت جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، بحوث اسلامیہ کے مجمع کی ہے۔ یہ اس طرح کا اجتماع نہیں، جیسے پوپ عیسائی کیتھولک مذہب کے لئے "یہ کرو اور یہ نہ کرو" سے متعلق قوانین بنانے کے لئے رُوما میں اپنے فرقے کے پادریوں کا کرتا رہتا ہے۔

مصر کا نظام حکومت خالصاً سیکولر ہے۔ اور اسلامی امور کے بارے میں وہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کا تعلق جامعہ الازہر اور وزارت اوقاف سے ہے، جن کی آمدنی کی مدیں اپنی ہیں اور پارلیمنٹ کے بجٹ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ حکومت کو اس کا حق ضرور ہے کہ چونکہ یہ امور مصر کی قومی زندگی کا ایک شعبہ ہیں۔ اور حکومت قومی ہے، وہ ان کی نگرانی کرے اور انہیں اپنے ڈھب اور قوم و ملک کی ضرورتوں کے مطابق چلائے۔ بغرض شیخ الازہر کے بلائے ہوئے اور ان کی زیر صدارت اجتماع کی قراردادوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ آپ انہیں ایک خاص خیال کے علمائے کرام کی آراء کہہ سکتے ہیں اور بس۔

یہ جو اوپر عرض کیا گیا ہے، اس کی تائید مصر کی واحد سیاسی پارٹی "الاتحاد الاشتراکی العربی" کے میثاق (منشور) کے اس بند سے ہوتی ہے، جس کا ترجمہ ہم یہاں دیتے ہیں۔ یہ میثاق ایک مطمح نظر بھی ہے اور لائحہ عمل بھی۔ اور حکومت کے لئے اس کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے۔

"ہماری نئی آزاد زندگی میں عقیدۂ دینی کی آزادی کا احترام واجبات میں سے ہونا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ ادیان کی نازل شدہ ابدی قدریں نورِ ایمان اور خیر، حق اور محبت کی لامحدود طاقتوں سے انسان کو سرفراز کر کے اُس کی ہدایت اور اس کی زندگی کو ضیا بخشنے پر قادر ہیں۔ اور یہ کہ آسمانی رسالتیں (رسالات السماء) تمام کی تمام اپنے اصل وجوہر میں انقلابات انسانی تھے، جن کا مقصد انسان کی شرف و بزرگی اور سعادت تھی۔ اور دینی مفکرین کا فرض اکبر یہ ہے کہ وہ دین کی اُس کے اس اصل وجوہر رسالت کے ساتھ حفاظت کریں۔

"واقعہ یہ ہے کہ دینی رسالتوں کا اصل وجوہر حقائق زندگی سے متصادم نہیں ہوتا۔ اور بعض حالات و ظروف میں جو تصادم رونما ہوتا ہے تو وہ نتیجہ ہے رجعیت کی ان کوششوں کا کہ وہ دین کی اپنی فطرت اور رُوح کے خلاف اس کا استحصال کرتی ہے تاکہ وہ ترقی و تقدم کا راستہ روکے اور وہ یوں کہ رجعیت دین کی ایسی تعبیریں کرتی ہے، جو اس کی بلند الہیاتی حکمت سے متصادم ہوتی ہیں۔

یقیناً تمام ادیان ترقی و تقدم خواہ رسالتوں کے حامل تھے۔ لیکن رجعیت نے جو صرف اپنے مفادات کے لئے

زمین کی نعمتوں کو اپنی اجارہ داری بنانا چاہتی تھی۔ دین کے نام سے اپنی اغراض کو چھپانے کی مجرمانہ کوشش کی اور اس سے وہ کچھ چاہنے لگی جو خود اس کی روح کے خلاف تھا تاکہ اس طرح وہ ترقی کے سیلاب کو روک سکے ادیان کا اصل وجوہر زندگی اور آزادی میں انسان کے حق کا اثبات کرتا ہے، بلکہ دین میں جزا (ثواب) اور سزا (عقاب) کی جو اساس ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے لئے ایک سے مواقع ہیں اور یہ کہ ہر انسان اپنے خالق اعظم کے رُوبرو اپنی زندگی کا آغاز اس طرح کرے، جیسے وہ ایک سفید کاغذ کا صفحہ ہے جس پر کہ وہ اپنے آزاد اختیار وارادہ سے اپنے اعمال لکھتا ہے۔

"دین ایسے طبقاتی نظام کو کبھی پسند نہیں کرتا، جو لوگوں کی غالب اکثریت کے لئے فقر جہالت اور مرض کے "عقاب" کا باعث ہو اور ان کی صرف ایک اقلیت کے لئے خیر و نعمت کا "ثواب" مختص کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے جس کی حکمت بلند و برتر ہے، نوع انسانی کے سامنے دنیا میں عمل اور آخرت کے حساب کے لئے ایک سے مواقع رکھے ہیں"۔

آپ نے دیکھا مصر کی حکمراں پارٹی کے "میثاق" کے اس بند میں "ادیان"، "رسالات السماء"۔ "الرسالات الدینیۃ" اور "جمیع الادیان ذات رسالات تقدمیہ" کا ذکر ہے، اور تمام تر زور ابدی قدروں (القیم الخالدہ) اور ادیان کی اصل وجوہر (جوہر الادیان) پر ہے۔ اور جس طرح ہمارے یہ بزرگ ایوب حکومت سے ایک مفصل جامع اور تمام جزیات زندگی پر حاوی نظام کے نفاذ کا جسے وہ بزعم خویش اسلامی شریعت کہتے ہیں، مطالبہ کر رہے ہیں، اور اس کے لئے انھوں نے وعظوں، خطبوں، درسوں اور اخبارات کے بیانات میں اور اپنے رسائل کے صفحات پر ایک انتہائی جارحانہ، تشدد انگیز اور منافرت بھری مہمیں چلا رکھی ہیں، ان کے لئے اس میثاق میں کہیں بھی گنجائش نہیں۔

ہم اپنے محترم بزرگوں سے باادب عرض کریں گے کہ دین کے نام سے جو کچھ پاکستان میں آپ حضرات نے ہنگامے کھڑے کر رکھے ہیں اگر اس کا عشر عشیر بھی وادیٔ نیل میں ہوتا، تو سید قطب کا معاملہ تو بہر حال سنگین تھا، لیکن جزیرہ نما سیناء میں واقع طور کے کیمپوں (CONCENTRATION CAMPS) میں اپنے آپ کو ضرور نظر بند پاتے۔

★★